حضرت صفیہ بنتِ عبدالمطلبؓ

(۱)

غزوۂ احزاب (۵ ہجری) میں سارے عرب کے مشرکین اور یہود نے متحد ہو کر مرکزِ اسلام پر یلغار کر دی تھی اور خاص مدینہ منوّرہ کے اندر یہودِ بنو قریظہ غدّاری کر کے اہلِ حق کی جانوں کے لاگو ہو گئے تھے۔ مسلمانوں کے لیے یہ بہت بڑی آزمائش تھی، لیکن آفریں، اللہ کے ان پاکباز بندوں پر کہ کیا مجال ایک لمحے کے لیے ان کے پائے استقامت میں لغزش آئی ہو۔ انھوں نے تو اپنی جانیں اور مال راہِ حق میں بیع کر دیے تھے اور زندگی کے آخری سانس تک کفر و شرک کے طوفانوں سے ٹکرانے کا تہیہ کر رکھا تھا۔ تاہم عورتوں اور بچوں کو گھر کے دشمنوں، یہود بنو قریظہ کی دست درازی اور شر سے بچانا ضروری تھا۔ چناں چہ رحمتِ عالم ﷺ نے تمام مسلمان خواتین اور بچوں کو بہ نظرِ احتیاط انصار کے ایک قلعہ فارع یا اطم میں منتقل کر دیا اور حضرت حسان بن ثابتؓ (شاعرِ رسول اللہؐ) کو ان کی نگرانی پر مامور فرما دیا۔ قلعہ اگرچہ خاصا مضبوط تھا، لیکن پھر بھی یہ انتظام خطرے سے یکسر خالی نہ تھا۔ سرورِ عالم ﷺ اپنے تمام جاں نثاروں کے ہم راہ جہاد میں مشغول تھے اور بنو قریظہ کے محلے اور اس قلعے کے درمیان کوئی فوجی دستہ موجود نہ تھا۔ انھی پرآشوب ایام میں ایک دن ایک یہودی اس طرف آ نکلا اور قلعے میں موجود لوگوں کی سن گن لینے لگا۔ حسنِ اتفاق سے ایک بوڑھی لیکن صحت مند خاتون نے اس یہودی کو دیکھ لیا، وہ اپنی خداداد فراست سے سمجھ گئیں کہ یہ شخص جاسوس ہے، اگر اس نے بنو قریظہ کے شریر النفس لوگوں کو جا کر بتا دیا کہ قلعے میں صرف عورتیں اور بچے ہیں تو ہو سکتا ہے وہ میدان خالی دیکھ کر قلعے پر حملہ کر دیں۔

چناں چہ انھوں نے نگرانِ قلعہ حضرت حسانؓ سے کہا کہ باہر نکل کر اس یہودی کو قتل کر دیں۔

حضرت حسانؓ نے عذر کیا۔ اس کا سبب اہلِ سِیَر کے نزدیک ان کی جسمانی یا قلبی کم زوری تھی، جو کسی مرض میں مبتلا رہنے کی وجہ سے پیدا ہوگئی تھی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ انھوں نے اس موقعے پر یہ جواب دیا:

''میں اس یہودی سے لڑنے کے قابل ہوتا تو اس وقت رسول اللہؐ کے ساتھ نہ ہوتا؟''

وہ خاتون حضرت حسانؓ کا جواب سن کر فوراً اٹھیں، خیمے کی ایک چوب اکھاڑی قلعے سے باہر آئیں اور اس یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ وہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔ حافظ ابنِ حجرؒ نے ''اصابہ'' میں لکھا ہے کہ یہودی کو قتل کرنے کے بعد انھوں نے حضرت حسانؓ سے کہا، جا کر اس کا سر کاٹ لاؤ، انھوں نے اس میں بھی عذر کیا تو بہادر خاتون نے خود ہی اس کا سر کاٹ کر قلعے سے نیچے پھینک دیا۔ یہودِ بنی قریظہ کو کٹا ہوا سر دیکھ کر یقین ہوگیا کہ قلعے کے اندر بھی مسلمانوں کی فوج موجود ہے۔ چناں چہ انھیں قلعے پر حملہ کرنے کی ہمت نہ پڑی۔ علامہ ابنِ اثیر جزریؒ کا بیان ہے کہ پھر اس خاتون نے حضرت حسانؓ سے کہا: ''اب جا کر مقتول یہودی کا سامان اتار لو۔'' وہ بولے: ''مجھے اس کی خواہش نہیں۔'' ابنِ اثیرؒ کہتے ہیں کہ یہ پہلی بہادری تھی، جو ایک مسلمان عورت سے ظاہر ہوئی۔ چناں چہ سرورِ اکرم ﷺ نے انھیں مالِ غنیمت میں سے حصہ عطا فرمایا۔

یہ شیر دل خاتون، جن کی شجاعت اور بے خوفی نے ایک بڑا خطرہ ٹال دیا اور تمام مسلمان عورتوں اور بچوں کو یہودیوں کے دستِ ستم سے بچالیا، بنو ہاشم کی چشم و چراغ نبی ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ بنتِ عبدالمطلبؓ تھیں:

(۲)

حضرت صفیہ بنتِ عبدالمطلبؓ کا شمار بڑی جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے۔ وہ ہالہ بنت وہیب (یا اہیب) بن عبدمناف بن زہرہ بن کلاب بن مرّہ کے بطن سے تھیں۔ جو سرورِ عالم ﷺ کی والدہ ماجدہ آمنہ بنت وہب بن عبدمناف کی چچازاد بہن تھیں۔ اس رشتے سے وہ حضورؐ کی خالہ زاد بہن بھی ہوتی تھیں۔ شیرِ خدا حضرت حمزہؓ شہیدِ احد ان کے حقیقی بھائی تھے ــــــ سرورِ عالم ﷺ کے والدِ ماجد عبداللہ، ــــــ عبدالمطلب کی ایک دوسری بیوی فاطمہ بنت عمرو

کے بطن سے تھے، اس رشتے سے حضرت صفیہؓ حضورؐ کی پھوپھی تھیں، اس لیے انھیں عمۃ النبیؐ کہا جاتا ہے۔ حضورؐ کی دوسری پھوپھیوں، ام حکیم بیضا، امیمہ، عاتکہ، برّہ اور اروٰی کے اسلام کے بارے میں اہلِ سیَر میں اختلاف ہے، لیکن حضرت صفیہؓ کے اسلام پر سب کا اتفاق ہے۔ ابن اثیرؒ نے ''اسد الغابہ'' میں لکھا ہے۔ ''والصحیح انه لم یسلم غیرها'' صحیح یہ ہے کہ ان کے سوا رسول اللہ ﷺ کی کسی پھوپھی نے اسلام قبول نہیں کیا۔

اگرچہ ابنِ سعدؒ اور حافظ ابنِ قیمؒ نے عاتکہ اور اروٰی کو بھی اسلام لانے والی خواتین میں شامل کیا ہے۔ لیکن حضرت صفیہؓ کا یہ شرف پھر بھی باقی رہتا ہے کہ وہ دعوتِ حق کے آغاز ہی میں سعادت اندوزِ ایمان ہوگئیں اور سابقون الاولون کی اس مقدس جماعت میں شمار ہوئیں، جس کو اللہ تعالیٰ نے کھلے لفظوں میں جنت کی بشارت دی ہے۔ سرورِ عالم ﷺ اور ان کی ولادت کے زمانے میں بہت تھوڑا فرق ہے۔ اس لیے وہ قریب قریب حضورؐ کی ہم سن تھیں۔

(۳)

حضرت صفیہؓ کا پہلا نکاح حارث بن حرب اموی سے ہوا، جس سے ایک لڑکا پیدا ہوا، اس کے انتقال کے بعد عوّام بن خویلد قرشی الاسدی کے عقدِ نکاح میں آئیں، جو ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بھائی تھے۔ حواریِ رسولؐ حضرت زبیرؓ انھی عوّام سے پیدا ہوئے۔ حضرت زبیرؓ ابھی کم سن ہی تھے کہ سایۂ پدری سے محروم ہوگئے۔ اس وقت حضرت صفیہؓ بالکل جوان تھیں، لیکن اس کے بعد انھوں نے ساری زندگی بیوگی کے عالم میں کاٹ دی۔ رحمتِ عالم ﷺ مبعوث ہوئے اور لوگوں کو حق کی طرف بلانا شروع کیا تو حضرت صفیہؓ نے بلا تامل اسلام قبول کرلیا۔ ان کے ساتھ ہی ان کے سولہ سالہ فرزند حضرت زبیر بھی حلقہ بہ گوشِ اسلام ہوگئے۔

حضرت صفیہؓ نے زبیرؓ کی تربیت نہایت عمدہ طریقے سے کی، ان کی خواہش تھی کہ ان کا فرزند بڑا ہوکر ایک نڈر اور بہادر سپاہی بنے۔ چناں چہ وہ حضرت زبیرؓ سے سخت محنت و مشقت کا کام لیتیں اور وقتاً فوقتاً زجر و توبیخ اور زدوکوب سے بھی گریز نہ کرتیں۔ حضرت زبیرؓ کے چچا نوفل بن خویلد ایک دن بھتیجے کو ماں کے ہاتھوں پٹتے دیکھ کر بے تاب ہوگئے اور حضرت صفیہؓ کو سختی سے ڈانٹا کہ اس طرح تو تم بچے کو مار ڈالوگی۔ نوفل نے بنو ہاشم اور اپنے قبیلے کے بعض دوسرے لوگوں

سے بھی کہا کہ وہ صفیہؓ کو بچے پر سختی کرنے سے روکیں۔ جب ان کی سخت گیری کا چرچا عام ہوا تو انھوں نے لوگوں کے سامنے یہ رجز پڑھا ؎

من قال ابغضه فقد كذب انما اضربه لكي يلب

''جس نے یہ کہا کہ میں اس (زبیرؓ) سے بغض رکھتی ہوں اس نے غلط کہا، میں اس کو اس لیے پیٹتی ہوں کہ عقل مند ہو۔''

و يهزم الجيش و يأتي السلب

''اور فوج کو شکست دے اور مالِ غنیمت حاصل کرے۔''

حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ نے ''اصابہ'' میں لکھا ہے کہ حضرت زبیرؓ کو لڑکپن میں ایک جوان اور قوی آدمی سے مقابلہ پیش آ گیا۔ انھوں نے ایسی ضرب لگائی کہ اس کا ہاتھ ٹوٹ گیا۔ لوگوں نے حضرت صفیہؓ سے شکایت کی تو انھوں نے معذرت کرنے کی بہ جائے لوگوں سے سوال کیا: ''تم نے زبیرؓ کو کیسا پایا بہادر یا بزدل؟''

غرض ماں کی تربیت کا یہ اثر ہوا کہ حضرت زبیرؓ بڑے ہو کر ایک دلاور صف شکن اور ضیغمِ شجاعت بنے۔ مبدأ فیض نے حضرت زبیرؓ کو یوں بھی فطرتِ سعید سے نوازا تھا، ماں کی تربیت نے ان کی خوبیوں کو اور بھی چمکا دیا اور ان کے دل میں اسلام اور داعیِ اسلامؐ کی محبت کوٹ کوٹ کر بھر دی۔ رحمتِ عالم ﷺ سے حضرت زبیرؓ کی والہانہ شیفتگی کا عجیب عالم تھا۔ بعثت کے ابتدائی زمانے میں ایک دن جب یہ افواہ سنی کہ حضورؐ کو نصیب دشمناں مشرکین نے گرفتار کر لیا ہے یا شہید کر دیا ہے تو ایسے بے قرار ہوئے کہ آؤ دیکھا نہ تاؤ تلوار سونت کر برق رفتاری سے آستانۂ نبویؐ پر پہنچے۔ حضورؐ کو وہاں بہ خیریت موجود پایا تو جان میں جان آئی اور چہرہ فرطِ بشاشت سے گلنار ہو گیا۔ حضورؐ نے ان کی شمشیر برہنہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ''زبیرؓ یہ کیا ہے؟''

عرض کیا: ''یا رسول اللہؐ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، میں نے سنا تھا، آپ کو دشمنوں نے گرفتار کر لیا ہے یا شاید آپ شہید کر دیے گئے ہیں۔''

حضورؐ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: ''اگر واقعی ایسا ہو جاتا تو تم کیا کرتے؟''

حضرت زبیرؓ نے بے ساختہ عرض کیا: ''یا رسول اللہؐ خدا کی قسم میں اہلِ مکہ سے لڑ مرتا۔''

(۴)

۵ بعثت میں حضرت صفیہؓ کو اپنے محبوب لختِ جگر کی عارضی جدائی کا صدمہ سہنا پڑا، قبولِ اسلام کے بعد دوسرے مسلمانوں کی طرح زبیرؓ بھی کفار کے جور و ستم کا ہدف بن گئے تھے، بالخصوص ان کا چچا نوفل بن خویلد ان پر بڑا ظلم و ستم ڈھاتا تھا۔ چناں چہ حضورؐ کے ایما پر پندرہ بلاکشانِ اسلام کا ایک قافلہ رجب ۵ھ میں حبش کی طرف ہجرت کر گیا، اس میں حضرت زبیرؓ بھی شامل تھے۔ ماں پر ان کی جدائی سخت شاق تھی، لیکن حضورؐ کے ایما اور بیٹے کی سلامتی کے خیال سے انھوں نے بڑے صبر اور حوصلے کے ساتھ فرزندِ عزیز کو کالے کوسوں دور روانہ کر دیا۔ ان مہاجرینِ راہِ حق کو حبش میں ابھی تین ہی مہینے گزرے تھے کہ انھوں نے ایک دل خوش کن خبر سنی۔ یہ کہ مشرکینِ مکہ نے اسلام قبول کر لیا ہے یا (ایک دوسری روایت کے مطابق) یہ کہ رسولِ اکرمؐ اور کفار کے درمیان مصالحت ہو گئی ہے۔ چناں چہ شوال ۵ھ بعدِ بعثت میں سب (یا ان میں سے اکثر) مہاجرین مکے واپس آ گئے۔ ان میں حضرت زبیرؓ بھی تھے۔ جب وہ مکے کے قریب پہنچے، تو معلوم ہوا کہ یہ خبر بالکل غلط تھی، چناں چہ واپس آنے والے سبھی حضرات قریش کے کسی نہ کسی سردار کی پناہ حاصل کر کے مکے میں داخل ہوئے۔ علامہ بلاذریؒ کا بیان ہے کہ حضرت زبیر بن العوامؓ نے زمعہ بن الاسود کی پناہ حاصل کی۔ حضرت صفیہؓ اپنے لختِ جگر سے مل کر بہت خوش ہوئیں اور ان کے یوں اچانک بہ خیریت واپس آ جانے پر سجدۂ شکر بہ جا لائیں۔ مکے میں کچھ عرصے قیام کے بعد حضرت زبیرؓ نے تجارت کا شغل اختیار کر لیا اور تجارتی قافلوں کے ساتھ شام آنے جانے لگے۔ اسی زمانے میں حضرت صفیہؓ نے حضرت زبیرؓ کی شادی حضرت اسماء بنتِ ابوبکر صدیقؓ سے کر دی یوں وہ صدیقِ اکبرؓ کی سمدھن بن گئیں۔

(۵)

اربابِ سیر نے لکھا ہے کہ حضرت صفیہؓ نے اپنے فرزند حضرت زبیرؓ کے ساتھ مدینہ منورہ کو ہجرت کی۔ مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت رحمتِ عالم ﷺ ارضِ مکہ کو الوداع کہہ کر عازمِ مدینہ ہوئے، تو حضرت زبیرؓ تجارت کے لیے شام گئے ہوئے تھے۔ جب وہ شام

سے مکے واپس آ رہے تھے تو راستے میں سرورِ عالمؐ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملاقات ہوئی، جو مکے سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے جا رہے تھے۔ حضرت زبیرؓ نے حضورؐ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ (اپنے خسر) کی خدمت میں چند سفید کپڑے تحفۃً پیش کیے اور وہ یہی سفید کپڑے زیبِ تن فرما کر مدینے میں داخل ہوئے۔ صحیح بخاری میں حضرت عروہ بن زبیرؓ سے روایت ہے:

"رسول اللہ ﷺ، زبیرؓ سے ملے جو تاجر مسلمانوں کے ایک قافلے کے ساتھ شام پلٹ رہے تھے، زبیرؓ نے رسول اللہؐ اور ابوبکرؓ کو سفید کپڑے پہنائے۔"

(بخاری کتاب المناقب باب ہجرۃ النبیؐ)

مکے واپس آنے کے تھوڑے ہی عرصے بعد حضرت زبیرؓ نے اپنی والدہ حضرت صفیہؓ اور اہلیہ حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیقؓ کے ہم راہ مدینے کی طرف ہجرت کی اور کچھ مدت قباء میں قیام پذیر رہے۔ وہیں ۱ھ میں (اور ایک دوسری روایت کے مطابق ۲ھ میں) حضرت اسماءؓ کے بطن سے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پیدا ہوئے۔ حضرت صفیہؓ کے اس پوتے کی ولادت تاریخِ اسلام میں بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اس لیے کہ ان کی ولادت سے پہلے کئی ماہ تک کسی مہاجر کے ہاں اولاد نہیں ہوئی تھی اور یہودِ مدینہ نے مشہور کر دیا تھا کہ ہم نے مسلمانوں پر جادو کر دیا ہے، اور ان کا سلسلۂ نسل منقطع کر دیا ہے۔ حضرت عبداللہؓ پیدا ہوئے تو مسلمانوں کو بے حد مسرت ہوئی اور انھوں نے جوشِ انبساط میں اس زور سے نعرہ ہائے تکبیر بلند کیے کہ دشت و جبل گونج اٹھے۔ مدینہ منورہ میں حضرت صفیہؓ، حضرت زبیرؓ کے ساتھ ہی رہتی تھیں اور وہ ان کی دل و جان سے خدمت کرتے تھے۔

(۶)

غزوۂ احد (۳ ہجری) میں جب ایک اتفاقی غلطی سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور مسلمانوں میں انتشار پھیل گیا، تو حضرت صفیہؓ ہاتھ میں نیزہ لیے مدینہ سے نکلیں۔ جو لوگ میدانِ جنگ سے منہ موڑ کر مدینہ کی طرف آ رہے تھے ان کو شرم اور غیرت دلاتی تھیں اور نہایت غصے سے فرماتی تھیں: "رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر چل دیے؟"

رحمتِ عالم ﷺ نے حضرت صفیہؓ کو میدانِ جنگ کی طرف آتے دیکھا تو ان کے ثابت قدم فرزند حضرت زبیرؓ کو پاس بلا کر ارشاد فرمایا:

''صفیہؓ اپنے بھائی حمزہؓ کی لاش نہ دیکھنے پائیں۔''

حضرت حمزہؓ مردانہ وار لڑتے ہوئے جبیر بن مطعم کے غلام وحشی بن حرب کے برچھے سے شہید ہو گئے تھے۔ ہند بنتِ عتبہ نے اپنے باپ عتبہ (مقتولِ بدر) کے جوشِ انتقام میں ان کی نعش کا مثلہ کیا تھا۔ یعنی ناک اور کان کاٹ ڈالے تھے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر سید الشہداءؓ کا پیٹ چاک کر کے ان کا کلیجہ نکال کر چبا ڈالا تھا۔ رسولِ اکرم ﷺ نہیں چاہتے تھے کہ صفیہؓ اپنے محبوب اور شجاع بھائی کی لاش کو اس حالت میں دیکھیں۔ حضرت زبیرؓ نے اپنی ماں کو حضورؐ کے ارشاد سے مطلع کیا تو وہ اس کا سبب سمجھ گئیں، بولیں: ''مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ میرے بھائی کی لاش بگاڑی گئی ہے۔ خدا کی قسم مجھے یہ پسند نہیں، لیکن میں صبر کروں گی اور ان شاء اللہ ضبط سے کام لوں گی۔''

حضورؐ حضرت صفیہؓ کے جواب سے آگاہ ہوئے تو آپؐ نے انھیں شہیدِ راہِ حق حضرت حمزہؓ کی لاش دیکھنے کی اجازت دے دی۔ وہ بادیدۂ پرنم لاش پر آئیں اور اپنے محبوب بھائی کے جسم کے ٹکڑے بکھرے دیکھ کر ایک آہِ سرد کھینچی اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر خاموش ہو گئیں، پھر ان کے لیے دعائے مغفرت مانگی اور ان کی تدفین کے لیے دو چادریں حضورؐ کی خدمت میں پیش کر کے واپس مدینہ چلی گئیں۔

حافظ ابنِ حجرؒ نے ''اِصابہ'' میں بیان کیا ہے کہ حضرت صفیہؓ نے حضرت حمزہؓ کی شہادت پر ایک پر درد مرثیہ کہا، جس کے ایک شعر میں رحمتِ عالم ﷺ کو یوں مخاطب کیا:

اِنَّ یَوْمًا اَتٰی عَلَیْکَ لَیَوْمٌ　　کورت شمسہ و کان مضیئا

''آج آپ پر وہ دن آیا ہے کہ آفتاب سیاہ ہو گیا ہے　　حالاں کہ اس سے پہلے وہ روشن تھا۔''

ایک روایت میں ہے کہ حضرت صفیہؓ محبوب بھائی کے لیے دعائے مغفرت مانگ کر اپنے آنسو ضبط نہ کر سکیں اور بے اختیار رونے لگیں، سرورِ عالم ﷺ نے انھیں روتے دیکھا تو

آپؐ کی آنکھوں سے بھی سیلِ اشک رواں ہوگیا۔ پھر آپؐ نے حضرت صفیہؓ کو صبر کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

''مجھے جبریلِ امینؑ نے خبر دی ہے کہ عرشِ معلّٰی پر حمزہ بن عبد المطلب کو اسد اللہ و اسد الرسول (اللہ کا شیر اور رسولؐ کا شیر) لکھا گیا ہے۔''

(۷)

غزوۂ احزاب (۵ھ) میں حضرت صفیہؓ نے جس بے مثال شجاعت اور بے خوفی کا مظاہرہ کیا اس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اس وقت ان کی عمر اٹھاون برس کے لگ بھگ تھی۔

اربابِ سِیَر نے لکھا ہے کہ حضرت صفیہؓ نہایت زیرک، دور اندیش، شجاع اور صابر خاتون تھیں اور تمام عرب میں اپنے حسب و نسب اور قول و فعل کے اعتبار سے امتیازی درجہ رکھتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں ملکۂ شاعری بھی عطا کیا تھا۔ سیرت کی بعض کتابوں میں ان کے کہے ہوئے چند مرثیے ملتے ہیں، جن کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام میں نہایت فصاحت و بلاغت تھی۔ اپنے والد عبد المطلب کی وفات پر انھوں نے جو مرثیہ کہا اس کے چند اشعار یہ ہیں:

''رات کو ایک نوحہ کرنے والی کی آواز نے مجھے رُلا دیا۔
وہ ایک مردِ کریم پر نوحہ کناں تھی۔
اور اس حال میں میرے آنسو موتیوں کی طرح میرے گالوں پر بہنے لگے۔
افسوس ہے اس مردِ کریم کی موت پر
جو بیہودہ نہ تھا اور اس کی بزرگی کا چرچا دور دور تک تھا۔
وہ عالی نسب، صاحبِ جود و سخا اور قحط سالی میں لوگوں کے لیے ابرِ رحمت تھا۔
پس اگر انسان کو اپنی قدیم بزرگی کی وجہ سے دوام ہوتا
(لیکن دوام کی کوئی صورت نہیں)
تو وہ مردِ کریم اپنی قدیم شرافت اور فضیلت کی بنا پر بہت زمانے تک زندہ رہتا۔''

رحمتِ عالم ﷺ حضرت صفیہؓ کے بھتیجے، خالہ زاد بھائی اور شوہر کے بہنوئی تھے۔ بچپن میں انھوں نے حضورؐ کے ساتھ ایک ہی گھر میں پرورش پائی تھی۔ اس لیے انھیں حضورؐ سے

غیر معمولی محبت تھی۔ سرورِ عالمؐ کو بھی ان سے بڑا تعلقِ خاطر تھا اور آپؐ ان کے فرزند حضرت زبیرؓ کو اکثر ''ابن صفیہؓ'' کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ ۱۱ھ میں حضورؐ نے رحلت فرمائی تو حضرت صفیہؓ پر کوہِ الم ٹوٹ پڑا۔ اس موقعے پر انھوں نے جو دردناک مرثیہ کہا، اس کے چند اشعار یہ ہیں:

''یارسول اللہؐ آپ ہماری امید تھے
آپ ہمارے محسن تھے، ظالم نہ تھے
آپ رحیم تھے، ہدایت کرنے والے اور تعلیم دینے والے تھے۔
آج ہر رونے والے کو آپؐ پر رونا چاہیے۔
رسول اللہؐ پر میری ماں، خالہ، چچا اور ماموں قربان ہوں،
پھر میں خود اور میرا مال بھی۔
کاش اللہ ہمارے آقاؐ کو ہمارے درمیان رکھتا،
تو ہم کیسے خوش قسمت تھے۔
لیکن حکمِ الٰہی اٹل ہے
آپؐ پر اللہ کا سلام ہو اور آپ جناتِ عدن میں داخل ہوں۔''

ایک اور مرثیہ کا مطلع ہے ؎

''اے آنکھ رسول اللہؐ کی وفات پر خوب آنسو بہا۔''

حضرت صفیہؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر ۷۳ برس کی تھی۔ آخری آرام گاہ قبرستانِ بقیع میں ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہا